بروایت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
مرتب : محمد اقبال قریشی ہارون آبادی

علوم معارف — حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی

★

فرمایا : عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

حملہ شاں پیدا و ناپیداست باد — آنکہ ناپیداست ہرگز کم مباد

یعنی ان کا حملہ نظر آتا ہے اور ہوا حملہ کرنے والی نظر نہیں آتی. آگے بطور دعا کے فرماتے ہیں ، جو چیز نظر نہیں آتی یعنی موثریت حق وہ ہمارے دل سے کبھی کم نہ ہو. دوسرے مصرعہ کی تفسیر حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے فرمائی ہے ، از دل ما یعنی ہمارے دل سے اس کا تصوّر ہرگز کم نہ ہو ورنہ اسکی ذات کے کم نہ ہونے کی دعا کے کوئی معنی نہیں ؎

اَنْتَ کَالرِّیْحِ نَحْنُ کَالْغُبَارِ — یُخْتَفَی الرِّیْحُ وَغُبَرُ الْاَجْھَارُ

تو مثل ہوا کے ہے اور ہم مثل غبار کے . ہوا پوشیدہ ہے اور اس کا غبار ظاہر ہے . (العبادہ ص۱۶)

فرمایا : ایک اور مثال حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایک طوطا پنجرے میں بند ہے . اور باغ کے ایک درخت میں بندھا ہوا ہے . درخت پر دوسرے طوطے دوڑ رہے ہیں . اور خوش ہو رہے ہیں . یہ طوطا جو پنجرے میں بند ہے ، چاہے گا کہ یہ قفس ٹوٹ جائے اور میں ان طوطوں میں مل جاؤں اور ایک اور طوطا پنجرے میں بند ہے اور اس کے گرداگرد بلیوں کا ہجوم ہے . وہ اس قید ہی کو غنیمت سمجھے گا . اسی طرح انسان کا بدن گویا ایک قفس ہے . اس کے ٹوٹنے کی ہر شخص تمنا نہیں کر سکتا . جو لوگ نیک ہیں وہ البتہ خواہش ظاہر کریں گے کہ جلد قفس عنصری ٹوٹ جائے ، اور روح نکل کر واصل بحق ہو . ایسے تمنا نہیں کر سکتے . بلکہ موت سے گھبرائیں گے اور ڈریں گے . یہی مطلب ہے . اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ . یعنی دنیا مومن کیلئے بمنزلہ جیل کے ہے . اور کافر کیلئے جنّت ہے . وہ طوطا جس پر بلیوں کا ہجوم ہے قفس کو جنّت خیال کرتا ہے اور جو باغ میں لٹکا ہوا ہے وہ قفس کو جیل خانہ سمجھتا ہے اور وطن اصلی کو یاد کر کے اسکی آرزو کرتا ہے ؎

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش — باز جوید روزگار وصل خویش

ہر شخص کا قاعدہ ہے کہ جب وہ اپنی اصلیت سے دور ہو جاتا ہے تو پھر اپنے گزرتے ہوئے زمانہ کو یاد کرتا ہے۔ (شوق اللقاء صہ ۳۴)

● فرمایا: مخلوق تو ہزاروں ہیں اور ہر ایک کی خواہش دوسروں کے معارض تو پھر کس کس کو راضی کیجئے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص تھا، اس کے پاس ایک ٹٹو تھا۔ اور بیوی بچہ اور کنبہ رکھتا تھا۔ اس کو سفر درپیش تھا، اس نے تجویز کی کہ ایک جانور ہے اور کئی سوار ہیں۔ باری باری سب مل کے چڑھتے اترتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ پہلے وہ خود سوار ہوا اور اپنے سیانے لڑکے اور بیوی کو پیادہ لے کر چلا۔ چلتے چلتے ایک گاؤں میں گزر ہوا۔ گاؤں والوں نے اسے سوار دیکھ کر کہا کہ بچہ پیادہ اور عورت جو قابل رحم ہے وہ پیادہ۔ اور خود ہٹا کٹا ہو کر سوار ہے۔ اس نے کہا بات تو ٹھیک ہے۔ بس خود اتر پڑا۔ اور بیوی کو سوار کر دیا۔ دوسرے گاؤں میں پہنچا، گاؤں والوں نے دیکھ کر کہنا شروع کیا کہ بیوی کا غلام ہے کہ سائیس کیطرح گھوڑے کی رسی پکڑے چلا جا رہا ہے۔ ارے کم بخت تجھ پر کیا مار آئی۔ تو نے اپنا وقار کیوں کھویا۔ اس نے کہا یہ بھی سچ ہے۔ آؤ اب سب مل کر سوار ہوں۔ تیسرے گاؤں میں پہنچا، وہاں لوگوں نے کہا کہ ارے کیسا ظالم ہے۔ اسے ایک دفعہ گولی مار دے، ترسا ترسا کر مارنے سے کیا فائدہ۔ اس نے کہا یہ بھی معقول ہے۔ چنانچہ اب سب پیادہ پا چلے اور سواری خالی ساتھ رکھی۔ پانچویں گاؤں سے گزر ہوا۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی اور کہا دیکھی ناشکری خدا کی۔ خدا تعالیٰ نے سواری بھی دی اور اسکی قدر نہیں۔ ارے ایک سواری تھی تو سب مل کے باری باری چڑھتے اترتے چلے جاتے۔ اس نے کہا اب کسی طرح الزام سے نہیں بچ سکتے۔ اب وہی کرو جو جی میں آئے اور کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہ کرو۔ بس وہ اترتے چڑھتے چلے گئے۔ خدا تعالیٰ نے اسے اس تجربہ سے عقل دی کہ وہی کرو جس میں راحت ہو اور کسی کے طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کرو۔

بزرگوں پر کفر کے فتوے لگتے ہیں۔ اور وہ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کرتے۔ چنانچہ حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں ۔

خلق مے گوید کہ خسرو بت پرستی مے کند
آرے آرے مے کند با خلق عالم کار نیست

لوگ کہتے ہیں خسرو بت پرستی کرتا ہے۔ چلو ہاں ہاں کرتا ہے، لوگوں سے کوئی کام نہیں ہے۔ (الشریعت ص۸) ——— سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اس واقعہ کو غذائے روح

میں دلنشین نظم میں تحریر فرمایا ہے۔ آخری ناصحانہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎ (مجموعہ کلیات امدادیہ ص۱۷۱)

لغو سے بچتی ہے کب خلقِ خدا آپ کو امداد تو ان سے بچا
خلق کو اچھے بُرے کہنے سے تو رنج و غم میں ڈال مت بس آپکو
کہنے سننے پر نہ کر ان کے خیال کام کر راضی ہو جس سے ذوالجلال
نیک اور بد پر نہ کر انکے نظر کام کا جو کام ہے وہ کام کر
ساقیا آ کھو غم دنیا و دیں اس سے تا میں ہوں فارغ کہیں
ہو نہ دنیا میں خیالِ اکتساب اور نہ عقبیٰ میں غم اجر و ثواب
شغل ہو ہر دم خیال یار سے بے خبر ہوں اپنے کاروبار سے
ہوں میں یوں اندر خیال عشق یار غیر استغراق کی ہو کچھ نہ کار

● فرمایا ایک شخص حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس عین دوپہر کے وقت آتے تھے۔ اور حضرتؒ کی نیند ضائع ہوتی۔ مگر حضرتؒ اپنی خوش اخلاقی سے کچھ نہ فرماتے۔ ایک روز حضرت حافظ ضامن صاحب شہید علیہ الرحمۃ کو تاب نہ رہی اور اس شخص کو سختی سے ڈانٹا اور کہا کہ بیچارے درویش رات کو جاگتے ہیں۔ دوپہر کا وقت تھوڑا سا سونے کا ہوتا ہے وہ تم خراب کرتے ہو۔ یہ کس قدر بے انصافی ہے۔ آخر کچھ لحاظ چاہئے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کی یہ تیزی بضرورت تھی۔ بعض اوقات اصلاح بجز سیاست اور سختی کے نہیں ہوتی۔ کسی کے پاس جانے میں اس کا خیال رکھے کہ اطلاع کر کے جاوے۔ اور عام بیٹھک میں بلا اطلاع جانا جائز ہے۔ اور لَا تَدْخُلُوا بُيُوْتًا سے مستثنیٰ ہے۔ مگر خاص خلوت کے وقتوں میں وہاں بھی نہ جانا چاہئے۔ شاید تکلیف یا گرانی ہو۔ (حقوق المعاشرت ص۲۲)

● فرمایا ؎

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا واں خورد گردد ہمہ نور خدا

یہ جو کچھ کھاتا ہے سب پلیدگی اور گندگی ہو جاتا ہے اور اللہ سے جدا ہو جاتا ہے، اور وہ جو کچھ کھاتے ہیں سب خدا کا نور بنتا ہے۔ یعنی ایک کھاتا ہے تو اس سے پلیدی نکلتی ہے۔ اور دوسرا کھاتا ہے تو اس سے نور خدا نکلتا ہے۔ میں جب حضرت حاجی صاحبؒ سے مثنوی پڑھا کرتا تھا تو اس شعر میں مجھے خیال ہوا کہ یہ محض شاعرانہ طور پر مولاناؒ نے فرمایا ہے کیونکہ فرق تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب اہل اللہ کے پیٹ سے فضلہ نہ نکلتا۔ جب سبق شروع ہوا تو حضرت قبلہؒ نے کیا

خوب فرمایا کہ پلیدی سے مراد اخلاق ذمیمہ ہیں اور نور خدا سے مراد اخلاق حسنہ ہیں۔ مطلب یہ کہ اہل اللہ کھاتے ہیں تو انکو اخلاق حمیدہ میں مدد ملتی ہے۔ اور دوسرے لوگ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق ذمیمہ میں مدد ملتی ہے۔ (تقاضل الاعمال ص ۱۶)

● فرمایا: ایک شیخ بہت ہی کم گو تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ان سے کہا آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ لوگوں کو فیض سے محروم رکھتے ہیں۔ خبر بھی ہے شیخ زبان ہوتا ہے اور مرید کان۔ اس پر ان کو تنبیہ ہوئی۔ پھر کلام فرمانے لگے۔ حقیقت میں عارف سے زیادہ گوئی کہاں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اسرار لامتناہی ہیں ان کو جتنا بھی بیان کیا جائے زیادہ گوئی نہیں ہوسکتی بلکہ ہمیشہ کمی رہے گی۔ پس زیادہ گوئی کے عذر سے شیخ کو چپ نہیں رہنا چاہئیے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۲۰۳)

● فرمایا کہ میں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے سنا ہے کہ ایک بزرگ مشغول بحق بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کتا سامنے سے گذرا۔ اتفاقاً اس پر نظر پڑ گئی۔ ان بزرگ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ اس نگاہ کا اس کتے پر اتنا اثر پڑا کہ جہاں وہ جاتا تھا اور کتے اس کے پیچھے ہو لیتے تھے۔ وہ جہاں بیٹھتا تھا۔ سارے کتے حلقہ باندھ کر اس کے ارد گرد بیٹھ جاتے تھے۔ ہنس کر فرمایا وہ گویا کتوں کیلئے شیخ بن گیا۔ پھر فرمایا جن کے فیوض جانوروں پر ہوں اس سے انسان کیسے محروم ہوسکتا ہے۔ ہرگز مایوس نہ ہونا چاہئیے۔ ہاں دھن ہونی چاہئیے۔ چاہے تھوڑی ہی ہو۔ (کمالات اشرفیہ ص ۲۰۴)

● فرمایا: درود شریف میں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے قبل لفظ سید نہ بڑھانے میں کمال متابعت ہے کیونکہ شارع سے منقول نہیں اور اگر کوئی کہے تو اس میں کمال محبت ہے۔ کمال ادب ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے جب حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت کی تو جب حضرتؒ نے فرمایا کہو بیعت کی میں نے امداد اللہؒ سے تو مولاناؒ نے نہایت ادب سے حضرتؒ کا نام لیا اور کہا میں نے بیعت کی حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے۔ اس پر حضرت حاجی صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا بس تم نے حقیقت کو سمجھا۔ ورنہ سب مریدوں نے صرف نام ہی لیا۔ حضرتؒ نے یہ جو فرمایا کہ تم نے حقیقت سمجھا کہ اس کا مطلب یہ تھا جن کو اب تک میں نے مرید کیا۔ انہوں نے صرف جس طرح میں نے اپنا نام لیا۔ بعینہ اسی طرح دہرا دیا۔ حالانکہ ان کو چاہئیے تھا کہ ادب کرتے کیونکہ میں تو اپنا نام ادب سے نہیں لے سکتا تھا۔ پس جس مسئلہ کا ذکر ہے، اسی کی تفسیر ہے۔ یہ واقعہ (انموذج الملفوظات حصہ دوم ملقب بہ سرمایۂ ہستی ملحقہ اشرف السوانح ج ۳ ص ۵۳۹)

● فرمایا : کہ حضرت حاجی صاحبؒ جب مثنوی پڑھاتے تو خوب زور شور سے تقریر فرماتے اور جب درس ختم ہو جاتا تو سر ٹیک کر بیٹھ جاتے کہ ارے بھئی کچھ شربت بناؤ۔ سرد و باد و بس یہ حالت تھی ؎

ہر چند پیر خستہ و بس ناتواں شدم ہر گہ نظر بسوئے تو کردم جواں شدم

اور ؎

خود قوی تر مے شود خمر کہن خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

بڑھاپے میں قوت روحانی بڑھ جاتی ہے جو کیفیت کہ بڑھاپے میں بھی جاتی رہے تو وہ روحانی ہے۔ اور جو بڑھاپے میں زائل ہو جائے تو سمجھو کہ نفسانی تھی۔ گو محمود ہو۔ پہلے ذوقاً معلوم ہوتا تھا۔ اب بحمد للہ بحقیقت سمجھ میں آگیا۔ (ارواح ثلاثہ صـ۲۲۷)

● فرمایا : کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا معمول تھا کہ جب مثنوی کا درس ختم فرماتے تو یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے۔ اس میں ہمیں بھی حصہ دے ——— (ارواح ثلاثہ صـ۲۲۶)

● فرمایا : کہ جب حضرتؒ یہاں (خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون) میں تشریف رکھتے تھے تو ایک کپھالی میں کچھ چنے کچھ کشمش ملی ہوئی رکھتے تھے۔ صبح کے وقت مولانا شیخ محمد صاحبؒ حافظ محمد ضامن صاحبؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ ساتھ مل کر کھایا کرتے تھے۔ اور آپس میں خوب چھینا جھپٹی ہوا کرتی تھی۔ اس وقت مشائخ اس مسجد کو دکان معرفت کہتے تھے، اور تینوں کو اقطاب[1] ثلاثہ۔ حضرت حاجی صاحبؒ دہلی کے شہزادوں میں، علماء میں بزرگ مشہور تھے۔ مگر پیر بھائیوں سے چھینا جھپٹی کرتے تھے۔ (ارواح ثلاثہ صـ۲۲۸)

● فرمایا : کہ حضرت حاجی صاحبؒ بعض اوقات تمام تمام رات اس ایک شعر کو پڑھ پڑھ کر روتے روتے گزار دیتے تھے ؎ (ارواح ثلاثہ صـ۲۲۹)

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم سر من پیدا مکن

---

[1] افسوس اب ایسے لوگ کہاں رہے۔ ع اب ان کو دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں

قولہ تعالیٰ: لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۔ فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر رحم آتا ہے، تم اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حق تعالیٰ نے انسان کے ساتھ اکثر اس کے فہم کے موافق کلام فرمایا ہے۔ یہاں بھی اسی کے موافق اَنْفُسَكُمْ فرما دیا ہے۔ یہی کلام خود اس قابل ہے کہ اس پر جان دے دی جائے۔ گو اس میں جان دینے کی ممانعت ہے۔ مگر جان نکلنا اور ہے جان دینا اور ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ کلام ایسا ہے کہ اس کو سن کر عشاق کی جان نکل جائے تو بجا ہے۔ چنانچہ بعض آیات کو سن کر بعض عشاق کی جان نکل گئی اور اگر کسی نے خود جان دی ہے تو وہ پاگل یا مغلوب الحواس تھے۔ ان کا فعل حجت نہیں، گو وہ خود معذور ہوں۔ ان کو اولیاء مستہلکین کہتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو کسی وجہ سے اپنے درجہ سے گر گئے۔ اس لئے غم میں جان دے دی۔ اور بعض وہ ہیں جو ترقی سے رہ گئے، ایک ہی مقام پر اٹک گئے۔ اور سطحیات ان سے صادر ہونے لگیں جنکی وجہ سے لوگوں نے قتل کر دیا۔ اور منصور بھی اولیاء مستہلکین میں سے تھے۔ حضرت غوث اعظم قدس اللہ سرہٗ کا ارشاد ہے کہ منصور کی کسی نے مدد نہ کی۔ اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو میں ان کو اس ورطہ سے نکال دیتا۔ ہمارے حاجی صاحبؒ نے بھی اپنے بعض معاصرین کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ ایک مقام پر اٹک گئے۔ اگر میرے پاس آجائیں تو میں ان کو نکال دوں۔ واللہ حاجی صاحبؒ بھی اپنے زمانہ میں عجیب چیز تھے آخر کوئی تو بات تھی جو عام عالم ان کے کمال کو تسلیم کئے ہوئے ہے۔ (تکمیل الانعام فی صورۃ ذبح الانعام ص۱۷)